"مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود منداست"
(دفتر اول مکتوب ۲۳۷)

مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفترِ دوم

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر
ادارۂ مجدّدیہ : ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مطالعۂ مکتوبات را لازم گیرند کہ سود مند است (مکتوب ۲۳۷)

مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانی

امامِ ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ

کے

دفتر دوم

مسمّٰی بہ "نور الخلائق" ۱۰۲۸ھ

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

ادارۂ مجدّدیہ، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

۶۰/-

ناشر	ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی
مطبوعہ	احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲
تعداد	ایک ہزار
قیمت	

ملنے کا پتہ

ادارہ مجددیہ: ۲/۵۔ ایچ۔ ناظم آباد ۳ کراچی

۱۹۹۱ء

مکتوب ۵۵
پنجاہ و پنجم

عالی درجات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔[1]

اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اور صوفیائے عالیہ کی تعریف میں اور اس بیان میں کہ اس کام کی اصل شریعت ہے اور اس بیان میں کہ احکامِ الٰہیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ـــــ

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے

(واضح ہو کہ) قرآن مجید تمام احکامِ شرعیہ کا جامع ہے بلکہ تمام سابقہ شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ مختصر یہ کہ اس شریعت کے بعض احکام اس قسم کے ہیں جو (خود قرآن مجید کی) عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے سمجھے جا سکتے ہیں، اور اہلِ لغت میں سے عوام و خواص سب ان کے سمجھنے میں برابر ہیں ـــــ (۲) اور دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد و استنباط کے ذریعے مفہوم ہوتے ہیں، ان کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے جن میں بقول جمہور اول آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں بعد ازاں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابِ کرامؓ اور آپؐ کی امت کے تمام مجتہد ہیں۔ لیکن آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو وحی کا زمانہ تھا احکامِ اجتہادیہ میں خطا و صواب کے درمیان تردد نہ رہتا تھا بلکہ وحیِ قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیونکہ خطا پر نبی کو ثابت اور برقرار رکھنا جائز نہیں ہے، برخلاف ان احکام کے جو زمانۂ وحی کے ختم ہونے کے بعد مجتہدین کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں کہ ان میں صواب و خطا کا احتمال ہے، اسی لئے وہ احکامِ اجتہادیہ جو وحی کے زمانے میں مقرر ہو گئے ہیں موجبِ یقین ہیں جن سے عمل و اعتقاد کے فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جو زمانۂ وحی کے بعد ثابت ہوئے ہیں وہ (احکامِ اجتہادیہ) البتہ ظن کا موجب ہیں جو عمل کے لئے تو مفید ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں ـــــ (۳) قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کے سمجھنے سے انسانی طاقت عاجز ہے جب تک کہ احکام کے نازل کرنے والے

---

[1] مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ کے نام چوبیس[24] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر گزر چکا ہے۔ اور مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ کے نام ستائیس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر گزر چکا ہے۔

حق جل سلطانہٗ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو، ان احکام کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس اعلام واطلاع کا حصول صرف پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے، پیغمبر کے علاوہ کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی ——— یہ احکام اگرچہ کتاب (قرآن مجید) ہی سے ماخوذ ہیں لیکن چونکہ ان کے مُظہِر (ظاہر کرنے والا) پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مُظہِر سنت ہے۔ جس طرح احکامِ اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی اعتبار سے قیاس ان احکام کا مُظہِر ہے، پس سنت اور قیاس دونوں مُظہِرِ احکام ہیں اگرچہ ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے کیونکہ ایک (قیاس) رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی گنجائش ہے، اور دوسرا سنت کی طرف جس کی حق جل وعلا کے اعلام (خبر دینے) سے تائید ہو جاتی ہے اور اس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ آخری قسم اپنی اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے اگرچہ حقیقت میں تمام احکام کو ثابت کرنے والی صرف وہی کتابِ عزیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ احکامِ اجتہادیہ میں غیر پیغمبر کو پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے (بشرطیکہ) وہ غیر پیغمبر، یعنی اُمّتی) اجتہاد کے مرتبے تک پہنچ چکا ہو۔ اور وہ احکام جو کہ عبارت اشارت اور دلالتِ نص سے ثابت ہو چکے ہیں اور اسی طرح ان احکام میں جن کا مُظہِر سنت ہے ان میں کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے بلکہ تمام امت پر ان احکام کی اتباع لازم ہے ——— پس امت کے مجتہدین کے لئے اجتہادی احکام میں پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے بلکہ ایسے مقام میں ان کے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا ہی صواب ہے۔

یہاں ایک دقیقہ ہے اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کرتے تھے ان پر صرف ان احکام کی اتباع واجب تھی جو ان کی کتابوں اور صحیفوں کی عبارت، اشارت اور دلالت سے ثابت تھے نہ کہ ان احکام میں جو کہ اجتہاد کے طور پر ان کی سنتوں سے ظاہر ہوئے۔ کیونکہ احکامِ اجتہادیہ میں جب امت کے مجتہد کو (غیر کی) متابعت لازم نہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو پیغمبر متابع کو کیونکر متابعت لازم ہو گی۔ اور وہ احکام جن کی مُظہِر سنت ہے۔ ان میں جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو ان احکام کے لئے اطلاع حاصل ہوئی ہے اسی طرح غیر اولوالعزم پیغمبروں کو بھی ان احکام کی اطلاع اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے، پھر متابعت کیسی؟ بلکہ متابعت کی

گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ ہر وقت اور ہر گروہ کے اندازے کے لحاظ سے جدا جدا احکام ہوتے ہیں' کبھی ان کا حلال ہونا مناسب ہوتا ہے اور کبھی حرام ہونا۔ کسی اولوالعزم پیغمبر کو ایک کام کے حلال ہونے کا حکم ہوتا ہے اور غیر اولوالعزم کو اسی کام کے حرام ہونے کی اطلاع ہوتی ہے، اور یہ حلال وحرام دونوں نازل شدہ صحیفوں سے ماخوذ ہوتے ہیں جیسا کہ دو مجتہد ایک ہی ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کرتے ہیں' ان میں سے ایک اس کے حلال ہونے کا مطلب سمجھتا ہے اور دوسرا اس کی حرمت کا۔

سوال: یہ اختلافِ اجتہاد میں گنجائش رکھتا ہے کیونکہ اس کا دارومدار قیاس ورائے پر ہے جس میں صواب وخطا کا احتمال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے اور وہاں صواب وخطا کا تردد جائز نہیں ہے بلکہ یقین کے ساتھ حق جل وعلا کا حکم ایک ہی ہے' اگر حلال ہے تو اس میں حرمت کی گنجائش نہیں ہے اور اگر حرام ہے تو اس میں حلال کی مجال نہیں ہے۔

جواب: ہو سکتا ہے کہ ایک قوم کی نسبت وہی چیز حلال ہو اور دوسری قوم کی نسبت سے وہ حرام ہو۔ پس اللہ جل وعلا کا حکم ایک ہی واقعہ میں قوم کے متعدد ہونے کی نسبت سے مختلف ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں خاتم الرسل ﷺ کی امت میں یہ معنی درست نہیں' کیونکہ اس شریعت میں سب لوگ ایک حکم کے محکوم ہیں لہذا یہاں کسی ایک واقعہ میں بھی خداوند جل سلطانہ' کے نزدیک دو حکم نہیں ہیں۔

سوال: اگر کسی اولوالعزم پیغمبر نے کسی کام کی حلت کا حکم کیا ہو' اور اس کے تابع پیغمبر نے اس کام میں حرمت کا حکم دیا ہو تو لازم آتا ہے کہ حکمِ ثانی حکمِ اول کا ناسخ ہو، اور یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ اس کا نسخ کرنا اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کوئی ناسخ نہیں ہو سکتا۔

جواب: نسخ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ حکمِ ثانی تمام لوگوں کے لئے عام ہو۔ تاکہ حکمِ اول کو رفع کر دے جو ایک گروہ کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور حکمِ ثانی عام نہیں ہے بلکہ ایک گروہ کی نسبت حرمت' کا حکم ہے، اس لئے 'حکمِ اول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے ——

—— کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک ہی واقعہ میں ایک مجتہد کسی چیز کے حلال ہونے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی واقعہ میں حرمت کا فیصلہ کرتا ہے اور ان میں سے کوئی حکم بھی نسخ نہیں ہے۔ اگرچہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے کہ یہاں (مجتہدین کی) رائے ہے اور وہاں اعلام (اللہ تعالیٰ کا حکم) رائے میں متعدد حکم کی گنجائش ہے اور اعلام میں گنجائش نہیں۔ لیکن تعددِ اقوام سے اس کا علاج ہو سکتا ہے' جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

لہٰذا گذشتہ شریعتوں میں بھی وہ احکام جو اولوالعزم پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں سے لغت کے اعتبار سے مفہوم ہوتے تھے پیغمبرانِ متابع کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہ تھی کیونکہ وہ احکام کافۂ انام کی نسبت سے وارد ہوتے تھے۔ ہر پیغمبر متابع جس قوم کو دعوت دیتا تھا وہ ان احکام کے خلاف تبلیغ نہیں کرتا تھا، اگر حلال ہے تو سب کے لئے حلال ہے اور اگر حرام ہے تو سب کے لئے حرام ہے، یہاں تک کہ کوئی دوسرا اولوالعزم پیغمبر آئے اور اس حکم کو رفع کرے اب نسخ متصور ہو جائے گا ــــــ لہٰذا نسخ ان ان احکام کے اعتبار سے ہوتا ہے جو لغت کے موافق نازل شدہ صحیفوں سے ماخوذ ہوتے ہیں، اور وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت شدہ ہوں اور سنت اور اجتہاد کی طرف منسوب ہوں ان میں نسخ متصور نہیں ہے کیونکہ یہ احکام بعض کی نسبت سے ہیں اور بعض دوسروں کے لئے نہیں۔ لہٰذا کسی پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت، کسی دوسرے پیغمبر کے اجتہاد و سنت کی ناسخ نہیں ہوتی، کیونکہ اُس کی نسبت کسی اور قوم کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی نسبت دوسری قوم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اختلاف کافۂ انام کی نسبت سے ہو یا صرف ایک گروہ کی نسبت سے تو البتہ نسخ ہے جیسا کہ اس شریعت میں ہے کہ حکم کافۂ انام کی نسبت سے ہے۔ تو حکمِ ثانی حکمِ اول کا ناسخ ہے۔ لہٰذا ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات والتحیات کی آخری سنت آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کی تمام سنتوں کی ناسخ ہے ــ اور حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد اس شریعت کی متابعت کریں گے اور آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی سنت کا اتباع کریں گے، کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ علماءِ ظواہر اُن (حضرت عیسٰی) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مجتہدات سے ان کے کمال دقیق اور پوشیدہ ماخذ ہونے کے باعث انکار کر بیٹھیں اور ان کو کتاب و سنت کا مخالف سمجھیں۔

حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسٰی روح اللہ کی مانند ہے جنھوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے، کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے اور وہ اُن کے اجتہادات کو دقّتِ معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو "اصحاب رائے" خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت و درایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر مطلع

نہ ہونے کی وجہ سے ہے ــــــ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے ان (امام ابو حنیفہ) علیہ الرضوان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے فرماتے ہیں: اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِي حَنِيْفَةَ (تمام فقہا ابو حنیفہؒ کی عیال ہیں)۔ ان کم نظر معترضین کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں ؎

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعنِ قصور — حاشَ للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(کوئی ناقص اگر اس سلسلے پر طعن کرے — ذکر اس کا نہ کروں گا میں کبھی شکوے سے

یہ ہے وہ سلسلہ جس میں ہیں بندھے دنیا کے شیر — لومڑی کس طرح توڑے گی اسے حیلے سے)

اور یہ جو خواجہ محمد پارساؒ نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابی حنیفہؒ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے"۔ ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث لکھا ہو جو کہ امام ابی حنیفہؒ کو حضرت روح اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے یعنی حضرت روح اللہؑ کا اجتہاد حضرت امام اعظمؒ کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ وہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ ان (حضرت عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ علمائے امت کی تقلید فرمائیں ــــــ بلا تکلّف و تعصّب کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم (اکثریت) امام ابی حنیفہ علیہم الرضوان کا متبع ہے اور یہ مذہب متبعین کی کثرت کے باوجود اصول و فروع میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط میں اپنا الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ معنی اس کے حق ہونے کی خبر دینے والا ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے پیش پیش ہیں حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیثِ مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور اسی طرح صحابہؓ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالفین ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جن سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔

حالانکہ وہ سب ان کے کمالِ علم اور ورع وتقویٰ کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا کرے کہ وہ دین کے پیشوا اور اہلِ اسلام کے سردار کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے "سوادِ اعظم" کو ایذا نہ دیں، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ (توبہ آیت ۳۲، ۹) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں)۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابر کو "صاحب رائے" جانتے ہیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اہلِ اسلام کا "سوادِ اعظم" گمراہ اور بدعتی ہوا بلکہ گروہِ اسلام سے بھی باہر ہوگا۔ اس قسم کا اعتقاد وہی بے وقوف جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا پھر وہ زندیق جس کا مقصود دینِ اسلام کے نصف حصہ کو باطل کرنا ہے۔ ان چند ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر لی ہیں اور احکامِ شریعت کو ان ہی میں منحصر جانتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمانِ او ہماں است

(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے وہی اس کی زمین اور آسمان ہے)

ان لوگوں کے بیہودہ تعصبات اور فاسد نظریات پر افسوس ہزار افسوس کہ فقہ کے بانی امام ابوحنیفہؒ ہیں اور تمام فقہا نے فقہ کے تین حصے ان کے لئے مسلّم رکھے ہیں، اور باقی چوتھے حصہ میں سب (دوسرے فقہا) ان کے ساتھ شریک ہیں، فقہ میں صاحبِ خانہ وہی ہیں اور دوسرے سب ان کے عیال ہیں ——— مذہبِ (حنفی) کے اس التزام کے باوجود مجھے امام شافعیؒ سے گویا ذاتی محبت ہے اور میں ان کو بزرگ جانتا ہوں۔ اسی لئے بعض اعمالِ نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہا، کمالِ علم اور کمالِ تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے مقابلے میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ احکامِ اجتہادیہ کا اختلاف اگرچہ وہ پیغمبر ہی سے صادر ہو نسخ کو مستلزم نہیں، بخلاف اس اختلاف کے جو کتاب وسنت میں ہو وہ موجبِ نسخ ہے جیسا کہ اوپر کی تحقیق میں گذرا۔ پس ثابت ہوا کہ احکامِ شرعیہ کے اثبات میں

صرف کتاب و سنت ہی کا اعتبار ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماعِ امت بھی حقیقت میں مثبتِ احکام ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو احکامِ شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ (اولیاء کا) الہام کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور اہلِ باطن کا کشف کسی چیز کے فرض یا سنت ہونے کا اثبات نہیں کرتا۔ احکامِ اجتہادیہ میں مجتہدین کرام کی تقلید کرنے میں ولایتِ خاصہ والے حضرات، عام مؤمنین کے برابر ہیں ان کے کشوف و الہامات ان کو فضیلت نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔

—— حضرت ذوالنونؒ (مصری)، (بایزیدؒ) بسطامی، جنیدؒ (بغدادی)، اور شیخ شبلیؒ احکامِ اجتہادیہ میں عام مؤمنین زید، عمرو، بکر اور خالد وغیرہ کے ساتھ مجتہدین کی تقلید کرنے میں مساوی ہیں ——

ہاں ان بزرگواروں کی بزرگی دوسرے امور میں ہے، یہ حضرات اصحابِ کشوف و مشاہدات اور اربابِ تجلیات و ظہورات ہیں جنھوں نے محبوبِ حقیقی جل سلطانہٗ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ سب سے تعلق توڑ لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو وہی (جل سلطانہٗ) ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی (جل سلطانہٗ) سے واصل ہیں۔ عالم (دنیا) میں رہتے ہوئے بھی عالم میں نہیں ہیں، اور با خود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں، اگر زندہ ہیں تو اسی کے لئے اور مرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے —— ان کے مبتدی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ذراتِ عالم کے ہر ذرہ کے آئینے میں مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اسی (حق تعالیٰ) کی اسمائی و صفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ اور ان کے منتہیوں کے متعلق کیا بیان کیا جائے کہ وہ بے نشان ہیں اُن کا قدمِ اول نسیانِ ماسوٰی (غیرِ حق سے فراموشی) ہے، اور ان کے قدمِ ثانی کا کیا بیان ہو کہ وہ آفاق و انفس سے باہر ہے الہامؔ انہی کے لئے ہے اور اسی (الہام) کے ساتھ ان کا کلام ہے، ان کے اکابر کے اکابر علوم و اسرار کو بغیر توسط اصل سے اخذ کرتے ہیں اور مجتہد کے مانند کہ اپنی رائے و اجتہاد کے تابع ہے۔ وہ بھی معارف و مواجید میں اپنے الہام و فراست کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "علومِ لدنّی کے فیض پہنچانے میں حضرت خضر علیٰ نبینا و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت درمیان میں واسطہ ہے"۔ ظاہری طور پر یہ بات ابتدا اور توسط کے حال کے مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے جیسا کہ کشفِ صریح سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اس خصوصیت کی تائید اس کلام سے بھی ہوتی ہے جو

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ برسر منبر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے اسی اثنا میں حضرت خضر کا وہاں گزر ہوا تو شیخ نے فرمایا: "اے اسرائیلی! ادھر آ اور کلامِ محمدی سُن"۔ شیخ کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر محمدیوں میں سے نہیں ہیں بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں، اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ۔

پس ثابت ہوا کہ علوم و معارف احکامِ شرعیہ کے علاوہ دوسری چیز ہیں کہ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں، اگرچہ وہ معارف ان ہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود اس کے پھلوں کا حصول ہے اور جب تک درخت قائم ہے اس وقت تک پھل کی امید رہتی ہے اور جب درخت کی جڑ میں خلل آجائے تو اس کے پھل بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بے عقلی کی بات ہے کہ کوئی شخص درخت کو تو کاٹ ڈالے اور پھلوں کی امید رکھے، درخت کی جسقدر اچھی تربیت کریں گے اسی قدر زیادہ پھل دے گا مقصود اگرچہ پھل ہے لیکن وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ جو شخص شریعت کو لازم پکڑتا ہے وہ صاحبِ معرفت ہے جس قدر شریعت کا التزام زیادہ ہوگا اسی قدر معرفت بھی زیادہ حاصل ہوگی، اور جو شریعت میں سست ہے وہ معرفت سے بے نصیب ہے۔ بالفرض وہ اپنے خیالِ فاسد کی بنا پر کچھ (معرفت) رکھتا ہے اگرچہ (حقیقت میں) وہ کچھ بھی نہیں رکھتا تو یہ استدراج کی قسم سے ہے جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں: كُلُّ حَقِيْقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيْعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ وَّاِلْحَادٌ (جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا ہو وہ زندقہ اور الحاد ہے)

پس ہو سکتا ہے کہ اہل اللہ میں سے خاص خاص حضرات حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو اور حرکات و سکنات میں حق تعالیٰ کا اذن (اجازت) و عدمِ اذن معلوم کر لیں اور حق تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلی عبادتوں کے ادا کرنے میں (حق تعالیٰ کی) مرضی نہیں پاتے اور اس کے ترک کا اذن پا لیتے ہیں اور کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ اپنے اپنے وقتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں جب ان بزرگوں کے حرکات و سکنات (حق تعالیٰ کے) اذن پر موقوف ہیں تو بیشک دوسروں کے نوافل بھی

ان کے لئے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہے اور وہی فعل دوسرے شخص کے لئے الہامی حکم سے فرض ہے۔ پس دوسرے لوگ کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن یہ بزرگوار جب کام کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے امر و اذن سے کرتے ہیں وہ سب فرض ہی ہوتے ہیں، دوسروں کے مستحب و مباح ان کے لئے فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس تحقیق سے ان بزرگوں کی بلندیٔ شان معلوم کرنی چاہئے ———— علمائے ظواہر دین کے امور میں غیبی خبروں کو صرف پیغمبروں علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو ان خبروں میں شریک نہیں کرتے، یہ بات وراثت کے منافی ہے اور اس میں بہت سے ایسے علوم و معارفِ صحیحہ کی نفی ہے جو دینِ متین سے تعلق رکھتے ہیں، ہاں احکامِ شرعیہ ادلۂ اربعہ (چار دلیلوں) پر موقوف ہیں جن میں الہام کی کوئی گنجائش نہیں لیکن احکامِ شرعیہ کے ماسوا بہت سے دینی امور ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے اور یہ اصل دنیا کے فنا ہونے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگ بعض حالات میں عبادت ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک کرنا پسندیدہ ہوتا ہے پس حق جل و علا کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے۔ لیکن عوام اس کے برخلاف حکم لگاتے ہیں یعنی اس کو عابد (عبادت کرنے والا) جانتے ہیں اور اس (ترک کرنے والے) کو مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے کامل ہو گیا تو کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟ ———— **جواب:** الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں کمالاتِ زائدہ کا ثابت کرنے والا، جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے، اکثر لوگوں کی فہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ خالقِ رائے جل سلطانہٗ کی طرف منسوب ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا (کہف آیت۱۰) (اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں بھلائی نصیب فرما) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔